# وشوابھارتی یونیورسٹی کے

## فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب بدر بستوی، سنٹرل لائبریری، وشوابھارتی یونیورسٹی، شانتی نیکیتن (مغربی بنگال)

(فروری ۱۹۸۳ء سے پیوستہ)

**دیوان آصفی (۱)** صفحات ۱۹۱۔ اسم کاتب اور سن کتابت مذکور نہیں، کتابت نیم خط شکستہ اور صاف تھی لیکن موجودہ حالت کرم خوردہ ہے۔

آصفی کا یہ دیوان غزل پر مشتمل ہے جو بہ ترتیب حروف تہجی مرتب ہے، غزلیات کے بعد تین ۳ قطعات اور بارہ ۱۲ رباعیاں ہیں۔ درمیان سطور مشکل الفاظ کے سہل فارسی میں معانی اور بعض مجمل الفاظ کی تشریحات بھی موجود ہیں۔ فارسی حروف تہجی کے لحاظ سے پ، خ، ژ، ص اور گ کے علاوہ سبھی حروف کے بند ہیں۔

**دیوان آصفی (۲)** صفحات ۳۲، سائز کلاں، کتابت نیم خط شکستہ، کاتب اور سن کتابت کا ذکر نہیں ہے۔ یہ نسخہ ناقص ہے صرف ابتدائی حروف الف کے ۲۹، ب کے ۵ اور ت کے ۱۸ بند ہیں۔ بین السطور مشکل الفاظ کے فارسی معانی بھی دیئے گئے ہیں۔ صفحہ اول کے بالائی حصے پر ذیل کے دو عربی جملے مع معانی سوال و جواب کے ساتھ تحریر شدہ ہیں:

سوال: "قلوب المومنین عرش اللہ۔ یعنی دلِ مومنان
ابادلیت تخت خدا تعالیٰ است و دلِ کافران ویرانی
است۔ مراد اینجا کہ معشوق من دلِ ویران دارد واز
دل مومنان بدہ۔"

جواب: "العشق نارٌ یحرق ماسوی اللہ۔ یعنی
عشق آتش است می سوزاند بجز اللہ تعالیٰ۔"

**دیوان آصفی (۳)** صفحات ۲۹، آخر ناقص، کتابت خط شکستہ، اسم کاتب اور سنِ کتابت مذکور نہیں۔ کاغذ دبیز موٹا اور الفاظ جا بجا کرم خوردہ۔ نسخہ ۲ کی طرح اس میں بھی الف کے ۲۹، ب کے ۵ ادرت کے صرف ۴ بند ہیں نیز صفحہ اول کے اوپری کونے پر نسخہ ۲ کے عربی کے دونوں جملے کچھ ترمیم کے ساتھ کتابت کئے ہوئے ہیں:

سوال: "قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ۔
یعنی دل مسلمان عرش خدا است۔"

جواب: "العشق نار یحرق ماسوی اللہ۔ عشق آتش
است کہ می سوزاند سیوای ذات خدا۔"

مذکورہ بالا تینوں نسخوں کے بند اور اشعار کی ترتیب و تعداد ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

آصفی کا یہ دیوان زیورِ طباعت سے بھی آراستہ ہو چکا ہے لیکن اولین طباعت کا سال معلوم نہیں ہو سکا البتہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے کتب خانہ کی کٹلاگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ مذکور کی لائبریری میں جو ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے وہ مطبع مہانند پنڈت کلکتہ سنہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء کا طبع شدہ ہے نیز نسخہ مذکور بصورت قلمی لائبریری

آف بمبئی یونیورسٹی، مسلم یونیورسٹی لائبریری (سبحان اللہ کلیکشن) علی گڑھ، کتب خانہ ٹونک (راجستھان) نیشنل لائبریری (بوہار کلیکشن) کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ، خدا بخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد اور گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس میں موجود ہے۔

خواجہ آصفی تیموری سلطان ابوسعید مرزا (عہد حکومت ۸۵۵-۷۷ھ / ۱۴۵۱-۷۲ء) کے وزیر خاص خواجہ مقیم الدین نعمت اللہ قہستانی کے فرزند تھے۔ خواجہ مقیم حکومت کے اہم منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ قدرت کی جانب سے جذبۂ ترحم اور دریا دلی کی نیک صفت سے بھی متصف تھے۔ جن کے بارے میں دولت شاہ (متوفی ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) نے لکھا ہے:

"مرد حقانی و با مروت بودہ واز و آثار اولیاء اللہ دیدہ اند۔
گویند عملہ و باقی داران را کہ در درگاہ صاحب قرانی بایذا
و عقوبت مبتلا می دید و تکلیف مالایطاق بر ایشاں می بود
براتی از خزانۂ خاص خود بدیشان می دید و ایشان را از زجر
خلاص می کرد۔"[2]

خواجہ آصفی میں والد جیسی سیاسی صلاحیت تو پیدا نہ ہو سکی البتہ میدان شاعری میں شہرت ضرور حاصل کر لی۔ لیکن شاعری میں صرف صنف غزل کو اپنایا۔ غالباً دیگر اصناف شاعری کے لئے ذہن موزوں نہیں تھا۔ شہنشاہ بابر نے ان کی شاعری پر تنقید و توصیف دونوں ہی کی ہے، لکھتے ہیں:

"اس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں، عشق و حال دونوں

---

[1] یہاں کا دیوان حاشیہ کے ساتھ ہے۔
[2] تذکرۃ الشعراء: ص ۵۱۷

میں ٹھوٹ تھا۔ غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا۔
جس زمانہ میں میں خراسان گیا ہوں اُس زمانہ میں مجھ سے
ملا تھا۔[1] "

موصوف کو شروع ہی سے عظیم علمی و سیاسی شخصیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملا۔ خود وزیر زادے تھے، بڑے ہوئے تو سلطان حسین مرزا (۸۷۲ھ/۱۴۶۷ء تا ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء) کا عہد حکومت پایا اور وزیر امیر علی شیر نوائی (متوفی ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء) کی علم نوازی و سرپرستی حاصل ہوئی۔ پھر بدیع الزماں مرزا[2] (پسر سلطان حسین مرزا) کی ہم جلیسی اور جامی (متوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) جیسی مشہور علمی شخصیت کی شاگردی سے بہرہ ور ہوئے۔ کیا

---

[1] تزک بابری (اردو) مترجمہ مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی فانی : ص ۱۸۴۔

[2] سلطان حسین مرزا کا یہ بدنصیب شہزادہ جس عجیب و غریب اسکیم کے تحت باپ کی وفات کے بعد تخت نشین کیا گیا اس کا ثمرہ کبھی خوش ذائقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۲ سال کے اندر ہی اندر اس کی تلخی سے پوری مملکت بدمزہ ہو گئی۔ ہوا یہ کہ سلطان حسین مرزا کی وفات کے بعد چند سنجیدہ اراکین سلطنت نے بدیع الزماں (پسر کلاں) کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا مشورہ دیا لیکن اکثریت کوتاہ نظروں کی ایسی بھی تھی جنھوں نے اس صائب مشورہ کو رد کرتے ہوئے سلطان حسین کے پسر خورد مظفر حسین کو بھی سہیم حکمرانی کی تجویز پیش کر دی۔ ان کوتاہ نظروں کی اصل جڑ سلطان حسین کی بیوی خدیجہ بیگی آغا تھی اور اسی کے بطن سے مظفر حسین تھا۔ غرضیکہ یہی آخری نامناسب تجویز غالب آئی۔ چنانچہ ذی الحجہ ۹۱۱ھ/۶-۱۵۰۵ء میں دار السلطنت ہراۃ میں دونوں مذکورہ شہزادے تخت نشین کیے گئے۔ انجام بد "غوغا بود دو بادشہ اندر ولایتی" کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ دونوں ہی ازبک سردار محمد خاں شیبانی نے طوفانی غلبہ کی بنا پر ۹۱۳ھ/۱۵۰۷ء میں قصر ہراۃ سے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ ممکن تھا کہ اتنے عظیم اور وقت کے پیشواؤں کا عکس آصفی کی زندگی اور دل و دماغ پر نہ پڑتا؟

ملا خاوند شاہ ہروی (متوفی ۹۰۳ھ / ۱۴۹۷ء) لکھتے ہیں:

"آنجناب بصفای ذہن سلیم و ذکای طبع مستقیم از سایر شاعر روزگار
و فضلای رفیع مقدار امتیاز داشت و گاہی در سایۂ تربیت امیر
نظام علی شیر بسر برد و احیاناً ہمت بر ملازمت بدیع الزماں مرزا
می گماشت۔ دیوان غزلیات آن جناب مشہور است۔"[۱]

شاعر موصوف کی وفات ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں واقع ہوئی۔ آپ نے اپنی ایک رباعی میں تاریخِ وفات خود کہی تھی جو ان کی قبر پر کندہ ہے۔ میر علی شیر قانع (متوفی بعد ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء) لکھتے ہیں:

"وفات ۹۲۳ھ در گازرگاہ ہرات دفن گردید۔ ایں رباعی
کہ ہنگام احتضار در تاریخ وفات خود گفتہ بود۔ بر قبرش
نوشتہ است ؎

خاکی کہ رخ آصفی ہفتاد نہاد
ہفتاد تمام کردہ از پا افتاد
زیں مرحلہ رفت گشت تاریخ وفات
بیہودہ رہِ بقا بکام ہشتاد"[۲]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی بعالم خانہ بدوشی بدیع الزماں نے ۹۲۰ھ / ۱۵۱۴ء میں بمرض طاعون استنبول (ترکی) میں وفات پائی اور مظفر حسین استر آباد میں راہیِ عدم ہوا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مؤرخ خواند امیر (متوفی ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴-۳۵ء) کی کتاب "حبیب السیر" جلد سوم: ص ۵۲-۲۵۱

[۱] روضۃ الصفا، جلد ۷، ص ۹۳۔

[۲] تحفۃ الکرام جلد ۲: ص ۲۱۴۔

ملا خاوند شاہ ہروی نے بھی مرزا سلطان ابراہیم (متوفی بعد ۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء) کی منظوم تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے:

"چون آصفی آن چشم خرد را مردم — در ابر اجل گشت نہان چون انجم
پرسید دل از من کہ چہ آمد تاریخ — گفتم ز برات آمدہ روز دوم"[1]

خواجہ آصفی کے سال وفات سے متعلق ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء، ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء اور ۹۲۸ھ/۱۵۲۲ء کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن کثرت اور معتبر شہادتیں ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء ہی کی جانب ہیں۔

**دیوان جلال اسیر** | صفحات ۲۴۸، مالک و کاتب سید لبہاون ولد سید قاسم، تاریخ کتابت ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء، کتابت نستعلیق اور اوراق نسخہ نہایت ہی عمدہ ہیں۔ یہ دیوان غزلیات، رباعیات اور قصائد پر مشتمل ہے۔ غزل کے ۱۷۲ صفحات کے ہر بند باعتبار حروف تہجی قافیہ وار ہیں۔ ان کے بعد نَو رباعیاں اور پھر آخر تک قافیہ وار ۳۴ قصائد کے بند ہیں جو شاہِ وقت، حمد و نعت اور حضرت علیؓ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ غزل کے ہر بند کی ابتدا "لہٗ" عنوان کے تحت ہے اور قصائد کے لئے ہر بند شروع کرنے سے قبل لفظ "قصیدہ" کا عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ کتابت میں جا بجا خامیاں پائی جاتی ہیں۔

نسخہ مذکور جن جن اشخاص کی ملکیت میں رہا انھوں نے اپنے اپنے نام لکھ رکھے ہیں۔ مثلاً ٹائٹل صفحہ پر حسب ذیل دو طرح کی تحریریں ملتی ہیں:

(۱) "این کتاب دیوان جلال اسیر از عنایت اللہ بحرفت
مبالغ صاحب محمد عیوض بتاریخ ہفدہم جمادی الثانی ۱۱۷۶ھ
برای مطالعہ لالہ آرام بخش ...... خود خریدہ آمد"

---

[1] روضۃ الصفا جلد ۷ : ص ۹۳۔

(۲) "بتاریخ بست و سیوم شہر ذی قعدہ سنہ ۲۹ (جلوس) روز جمعہ
بقیمت بگرفتہ شش آنہ سکہ معرفتی بندہ بھان سنگھ خرید
نمودہ ..... خان صاحب۔"

ہرمن ایتھے کی اطلاع کے مطابق یہ دیوان لکھنؤ سے سنہ ۱۸۸۰ء میں طبع ہو چکا ہے۔[۱] اور بصورت قلمی مسلم یونیورسٹی لائبریری (سبحان اللہ کلیکشن) علی گڑھ، بمبئی یونیورسٹی لائبریری، ٹونک لائبریری راجستھان، نیشنل لائبریری (بوہار کلیکشن) کلکتہ، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ، گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس، کتب خانہ[۲] مدرسہ عالیہ کلکتہ اور کتب[۳] خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد میں موجود ہے۔

مرزا جلال اسیر اصفہان کے قریب معروف و مشہور مقام شہرستان کے رہنے والے اور خاندان صفویہ کے شاہ عباس اول (عہد حکومت سنہ ۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء تا سنہ ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء) کے گہرے دوست اور قابل اعتبار رفیق تھے۔ شدہ شدہ اِس دوستی اور رفاقت کے نتیجے میں شاہ مذکور نے اپنی شہزادی مرزا اسیر کی زوجیت میں دے کر تعلق کو مزید پائدار کر لیا تھا۔ شاعر موصوف مرزا فصیح ہراتی (متوفی سنہ ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶-۳۷ء) کے شاگرد تھے۔ لیکن حیرت ہے کہ اسیر کی شاعری اور طبعی ذوق کے سلسلے میں صرف عیوب و نقائص ہی چند اصحاب قلم کو نظر آسکے۔ اس بیچارے کی زندگی کا کوئی لمحہ کبھی نورِ خیر سے بھی منور ہوا تھا یا نہیں؟ اِس کی وضاحت نقادوں نے ضرور خیال نہیں کی۔ پھر بعد کے قلم نگاروں نے بھی اسی بنیاد پر جلال اسیر کی شاعری اور عادات سے متعلق اپنا زورِ قلم صرف کیا۔ چنانچہ ہرمن ایتھے (H. ETHE)

---

[۱] کیٹلگ انڈیا آفس لائبریری لندن جلد اول: ص ۸۴۱۔

[۲] یہاں اسیر کی کلیات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۸۸۰ء بھی ہے۔

[۳] اس کتب خانہ میں شاعر موصوف کی کلیات مطبوعہ سنہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء موجود ہے۔

لکھتے ہیں :

"کثرتِ شراب نوشی کا عادی تھا اور اسی مخموری حالت میں وہ
اکثر اشعار موزوں کیا کرتا تھا۔ اس کے اشعار نہایت ہی
پست، بازاری اور عامیانہ ہیں[۱]۔"

اسی طرح کٹلگ خدابخش لائبریری پٹنہ کے مرتب مولوی عبدالمقتدر مرحوم نے جلد سوم کے صفحات ۶۷-۶۶ پر صاحبِ "ریاض الشعراء" اور مصنف "ہمیشہ بہار" کے خیالات ذکر کئے ہیں۔ افسوس ہے یہ تذکرے یہاں نہیں ہیں کہ احقر بھی ان سے قدرے استفادہ کرتا۔ تعجب ہے شاہ عباس صفوی جیسا مدبّر اور عظیم شہنشاہِ ایران کیا بغیر خوبیوں کے اپنا رفیق اور داماد اسیر کو بنالیا تھا؟ یقیناً شاعر موصوف میں کچھ ایسے گوہرِ آبدار تھے جو اتنے گہرے رشتہ کا موجب ہوئے۔

مذکورہ بالا نقادوں کے پہلو بہ پہلو اب تین عظیم اسکالروں کے توصیفی نظریات بھی ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر براؤن (E.G. BROWNE) متوفی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء جلال اسیر کو ممتاز شعراء میں شمار کرتے ہیں[۲]۔ اور مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء) "خیال بندی اور مضمون آفرینی" عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

"یہ وصف تمام متاخرین میں ہے لیکن اس طرز خاص کا نمایاں
کرنے والا جلال اسیر ہے[۳]۔"

بایں طور نعمانی مرحوم نے تصوف اور اخلاق کے موضوع پر نظامی (متوفی ۵۹۸ھ/۱۲۰۲ء) کی

---

۱۔ کٹلگ انڈیا آفس لائبریری لندن جلد اول ؛ ص ۸۴۲ – ۸۴۱

۲۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو) مترجم سید وہاج الدین کنتوری : ص ۳۶۰

۳۔ شعرالعجم جلد سوم : ص ۲۱

"مخزن اسرار" مثنوی کی متابعت میں لکھی جانے والی ۵۹ مثنویوں کا ذکر کیا ہے جن میں آسیر کی بھی ایک مثنوی شامل کی ہے۔[1] اور محمد افضل سرخوش مرحوم (متوفی ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء) نے آسیر کی دو ایسی ابیات ذکر کی ہیں[2] جو ناصر علی سرہندی (متوفی ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۷ء) کو بہت محظوظ کرتی تھیں اور جنھیں وہ بار بار پڑھا کرتے تھے۔ وہ ابیات ملاحظہ ہوں:

(۱) "نکند فیض ادب رنج خموشی ضائع — ہر سوالی کہ نکردیم جوابی دارد"

(۲) "شش جہت مشت غباری شد و پرواز گرفت
برق جولان کہ در خرمن خاک افتاد است"[3]

پیش نظر قلمی نسخہ سے چند مختلف اشعار نمونتہً پیش کیے جاتے ہیں جن سے آسیر کی شاعری کا معیار ناظرین خود ہی قائم کر سکتے ہیں:

(۱) یک حرف شکوہ از لب خوشنود بر نخاست — بسیار سوختیم ز ما دود بر نخاست
(۲) چرا داد دل از گردوں نخواہم — کسی را گوش بر فریاد ما نیست
(۳) ز تاثیر توکل گشتہ ام از خلق مستغنی — مرا از بی نیازی از کسی امداد حاجت نیست
(۴) سرم آسیر ز سودای ساقی گرم است — کہ از شکستن دل پر کند ایاغ مرا
(۵) در پردہ جذبہ گر نشود رہنمای شوق — یوسف کجا و رائحۂ پیرہن کجا

جام و شراب کا بیان ہو یا حسن و عشق کی داستان، اسے اگر آسیر نے شعر کا لباس پہنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا تو محض اس جرم کی بنا پر اس کی پوری شاعری قابل ملامت

---

۱؎ شعر العجم جلد ۵، ص ۸۸ - ۱۸۶۔

۲؎ کلمات الشعراء: ص ۳

۳؎ سرخوش نے بطریق اصلاح لکھا ہے کہ "فقیر بجای 'مشت غبار' 'مشت شرار' مناسب تر می داند" (ملاحظہ ہو کلمات الشعراء ص: ۳)

رکیک اور بازاری کہہ کر ٹھکرائی نہیں جاسکتی ہے کیونکہ میزانِ شاعری اگر یہی قرار پا جائے تو امراء القیس، ابونواس، متنبّی، عمر خیام، حافظ شیرازی، غالب، میر، جوش اور جگر وغیرہ کا اکثر کلام نذرِ آتش کر دئے جانے کے لائق ہے۔ نفس شاعری کا جہاں تک تعلق ہے جلال اسیر اپنے معاصرین شعراء سے برتر نہیں تو اتنا فروتر بھی نہیں جو قطعی طور پر نظر انداز کیا جاسکے۔

شاعر موصوف کی وفات بعمر شباب کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں ہوئی۔ سال وفات کی مختلف اطلاعیں ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء، ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء، ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء اور ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء بھی ملتی ہیں لیکن ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء ہی معتبر ہے۔

اسیر کا خصوصی ممدوح اور خسر شاہ عباس اول ایران میں خاندان صفویہ کا عظیم بادشاہ گذرا ہے جو اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے باپ محمد خدابندہ (متوفی ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵-۹۶ء) کی دست برداری کے بعد ۹۹۵ھ/۱۵۸۶ء میں سریر سلطنت پر متمکن ہوا لیکن اندرونِ ملک باغیانہ سرگرمیاں اور باہر سے جانب مشرق ازبکوں اور جانب مغرب ترکوں کے حملوں کا اندیشہ اس کی آبائی مملکت کو ہڑپ کر لینے کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا لیکن اِس دُور اندیش حکمراں نے داخلی بغاوت کو سختی سے دبا دیا اور بیرونی حملوں کا اپنی حکمت عملی اور مصلحت سے سدِّ باب کیا۔ اِن حالات سے جب مطمئن ہوا تو ملک کی ترقی اور خوشحالی کی تدابیر اختیار کیں جس سے ایران میں امن و امان اور شوکت و دبدبہ کا عظیم الشان دور شروع ہوا۔ پھر تو پوری مملکت کو خوشحالی، مسرت و شادمانی کی دولت نصیب ہوگئی۔ مگر اِن تمام خوبیوں کے باوجود بعض صفات اس عظیم شہنشاہ کی ذات سے ایسی بھی رونما ہوگئیں جو کسی طرح ایسے کامیاب حکمراں سے توقع نہیں کی جاسکتی تھیں۔ خصوصیت سے وہ مخصوص واقعہ جو خود اپنے لڑکے صفی مرزا کا ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء میں قتل کرا دینے کا مرتکب ہوا۔ واقعہ کی تفصیل عہد جہانگیری کے مؤرخ معتمد خاں بخشی (متوفی ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹-۴۰ء) سے ملاحظہ کیجئے:

"شاہ مدتہا از جانشین خویش بدگمان و متوہم بود تا آنکہ در معمورۂ رشت
کہ از شہرہای مشہور گیلان است بہ بہبود نام غلام ترکی اشارت کرد کہ
صفی مرزا را باید کُشت و آن سفاک بے باک فرصت جستہ در صباح
محرم سال ہزار و بیست و چہار ہجری وقتیکہ مرزا از حمام برآمدہ
متوجہ خانہ بود، بہبود بزخم سنجکی کارش بانجام رساند و
بسیاری از روز جسدش در آب و گِل افتادہ بود، ہیچ کس
یارای آن نداشت کہ اجازت گرفتہ بتجہیز و تکفین پردازد
تا آنکہ بشیخ بہاء الدین محمد (کہ مقتدای آن دیار بود و شاہ
بوی اعتقاد تمام داشت) خبر رسید، شیخ بحسنِ ادا و
لطفِ بیان اظہار نمود کہ درین نزدیکی سیّد زادہ
برلبِ جُوی کُشتہ افتادہ ۔ اگر اشارت فرمایند تجہیز و تکفین
نمودہ در جای مناسب مدفون سازند ۔ شاہ رخصت فرمود
و شیخ بعد از تجہیز و تکفین نعشِ اورا بأردبیل کہ مدفن آباء و
اجدادِ ایشان است فرستاد۔"[1]

صرف یہی ایک ایسا بدنما داغ ہے جو اس کی خوبیوں کے ذریعے مٹایا نہیں جا سکتا۔ الغرض
شاہ عباس چالیس سال تک حکومت کر کے بعمر ساٹھ سال ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء میں ملکِ بقا
روانہ ہوگیا اور اپنے مقتول بیٹے کے لڑکے سام مرزا کو مقتول صاحبزادے ہی کے
نام سے ملقب کر کے اپنا ولی عہد بنا گیا

(باقی آئندہ)

---

[1] اقبال نامۂ جہانگیری : ص ۸۴-۸۳ ۔